

”میں واقعی سنجیدہ ہوں... ہم دونوں اکٹھے سفر کر سکتے ہیں۔“

”شکر یا اسے میرے برااؤں بیٹھے...“ اس نے میرے کندھے کو تھپکا۔ میں اگر تمہارے ساتھ رہا تو شامِ حسد کی وجہ سے جلِ مردی... انسان اپنی عمر نہیں دیکھتا اپنی شکل نہیں دیکھتا لیکن اس حسن کو دیکھتا ہے جو کسی اور کے پاس ہوتا ہے اور پھر وہ جل جاتا ہے...“

”ہم برابر کے سنتے دار ہوں گے...“ میں نے اس بوڑھے کے لئے اپنے آپ کو بے حدِ زرم پایا۔ مت روکو... مجھے اپنے ہونٹوں کو...“
پیسہ راتیں کرتا رہا اور پھر کیدم چب ہو گیا۔ پھر وہ مسکرا یا اور انٹھ کھڑا ہوا...“
سمنگ میں ایک خاتون تمہارے شیخے کو شامِ تلاش کر رہی ہے۔ اور وہ تمہارے ذکر سیک پر لکھے نام کو پڑھنے کی کوشش کر رہی ہے... جس طرح تم نے کہا تھا دھوپ میں اس کے بازوں کے رو میں سنہری ہو رہے ہیں... میں اسے تمہارے پاس بھیجا ہوں۔“

کل رہوں میں سمنگ کے بعدِ زوتح کے ساتھ طے ہوا تھا کہ میں اپنا سامان دغیرہ پیک کر کے شہر پہنچ جاؤں گا اور اسے مل کر بھیل کے ساتھ ساتھ چل دوں گا...“

”دہ آئی تو ایک زرد فراک میں بھی اور سورج کی شاعیں اس کے بازوں اور کندھوں کو سنہری کر رہی تھیں۔“

”یہ تمہارے دوست ہیں... یہ جہنوں نے مجھے کندھے سے پکڑ کر کہا کہ اچھا تم ہی وہ لڑکی ہو جس نے ایک نوجوان کو دیا مئے رہوں میں چھلانگ لگانے کو کہا تھا۔ اور میں نے اُن سے کہا نہیں وہ نوجوان خود ہی پافی میں اُتر گیا تھا اس پر انہوں نے کہا کہ کاش تم مجھے حکم دیتیں تو میں یہیں سے رہوں میں چھلانگ لگا دیتا...“ یہ کیا

ہیں اور کون ہیں؟

” یہ ڈاکٹر پیسر ہیں اور... اور تم یہاں کیپینگ میں کیا کر رہی ہو؟ ”

” وہ مجھے رسیتوران سے چھٹی مل گئی تو...، بھر حال میں نے سوچا کہ پھر کا انتظار

کرنے کی بجا تھے... کیا تم خوش نہیں ہوئے مجھے دیکھ کر؟...؟ اُس کے لمحے

میں شکایت تھی۔

” میں تمہیں دیکھ کر حیران بھی تو ہوا ہوں... ”

مت روکو... مجھے اپنے ہوتھوں کو... ”

” کیا کیا؟ ” وہ یکدم ہنسنے لگی ” یہ پیٹ بُوں ابھی تک اپنی دوست کی منتین ”

کرتے جا رہے ہیں کہ مت روکو... تم دیکھ لو کہ میں کتنی اچھی ہوں... ”

” ہاں تم بہت اچھی ہو... اگر تم اچھی نہ ہوتی تو کرو گر تم سے کیسے محبت کرتا؟ ”

” پھر کرو گز...؟ وہ بھڑک اٹھی... ” اس وقت صرف میں اور تم ہیں کرو گئیں ہیں

... اور اب اگر تم نے اس کا نام لیا تو میں چلی جاؤں گی... اور میں اب یہاں نہیں

بیٹھوں گی۔ آؤ کیس چلیں... ”

” مجھے آج جنیسا چھوڑنا ہے اس لئے... میں اپنا رُک سیک ساتھ لیتا چلوں؟ ”

” ہاں بہت اچھا لگے کا کہ تم ساٹھ کلو دن اٹھائے ایک لڑکی کے ساتھ ہیں ”

کنارے چھل قدمی کر رہے ہو... پھر آکر لے جائے ”

ہم اٹھئے اور چیڑ کے درختوں والے راستے سے یئچے اترنے لگے۔ بالآخر ہوں

کاپیں نظر آئے رُگا۔ مرٹک اب درختوں اور پتھروں میں سے دکھائی دے رہی تھی اور

ہمارے باہمیں ہاتھ پر لکڑی کا ایک جنگلاتھا اور یئچے تقریباً پندرہ میں گز کی گھرائی

پر رہوں شور مچا رہا تھا... میں رو تھکے ہمراہ تین مرتبہ یہاں سے گزارا تھا اور ہر

مرتبہ سہم دو نوں رُک کے تھے۔ مرٹک پر اترنے سے پہلے ذرا سامن درست کرنے

کے لئے یا آنڑی تہنائی کا ذائقہ اپنے ہو نتوں پر محسوس کرنے کے لئے... رُدْتھ اس
ٹینیوں سے بھی ہوئی بارہ کے ساتھ ٹیک لگا کہ کھڑی ہو جاتی۔ اس کے گھنگھر پالے
بال پیچے بنتے دریا کا شور اور سرد ہوا۔ اس کا فراک اڑتا تو وہ اپنی کمر کو بل دے کر
اُسے ہمچیلی سے پیچے کرتی۔ فراک کے وی نیک کے درمیان ایک لاکٹ کبھی گھرتا
اور کبھی دودھیا سطح پر رکھا ہوا نظر آتا اور میں اُسے اپنے پیسنے کے ساتھ خوہر کرتا۔
اور تب میں ایک گھر اس ان لیتا اور ایک باس آتی، بدن سے، دریا کے شور اور سرد
ہوا سے، درختوں سے، ان ٹینیوں میں سے جن کے چنگے کے ساتھ رُدْتھ ٹیک لگاتی
اور اُس پیسنے سے جو پھاڑی پر تینیزی سے اُترتے ہوئے ہم کو بھگتا اور پھر ایک جگہ
کھڑے ہونے سے سرد ہونے لگتا۔۔۔ کوئی ایک باس نہ تھی بلکہ پورے منظر اور
اس پاس کے پڑنے سے اس کا وجود ہوتا اور تب مجھے فریبک سنارٹا کا گیت یاد
آتا۔۔۔ یاد آتا۔۔۔ نہیں اُس شور اور دریا اور بد نوں کی خوبیوں میں سے جنم لیتا اور

میرے اندر باہر گوئجھنے لگتا۔۔۔

گھری، نیلے سمندر سے بھی گھری
محبت ہوتی ہے۔۔۔ یہ اتنی زیادہ گھری ہوتی ہے۔۔۔

اگر سچی ہوتو۔۔۔

میں تم سے محبت کروں گا۔۔۔ راستے کے انتظام تک

اک دے دے۔۔۔

گھری۔۔۔

یہ ایک عجیب احساس تھا۔ رُدْتھ کے ساتھ میری دابتگی اتنی شدید نہ تھی کہ
مجھے نیلے سمندروں سے بھی گھری محبت یاد آتی اور پھر یہی بول میرے ذہن میں
آتے۔۔۔ ہمیشہ میں نے رُدْتھ سے اس کا ذکر کبھی نہ کیا۔۔۔ یہ میرا اپنا راز تھا۔۔۔

اُس لمحے جب وہ ٹھیںوں کے ساتھ پشت لگائے کھڑی ہوتی اور میں اُسے دیکھتا تو اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ میں کیوں مسکراتا ہوں۔ کیا سنتا ہوں اور میرے اندر کیا ہے... میرے گھرے اندر... شیلے سمندر سے بھی گھرے اندر... یہ تو ان زمانوں کی بات ہے لیکن اب جب کہ رہوں کے اُس مل کے یہ شے سے بہت سا پانی بہڑکا ہو گا۔ اب میں ایک بالکل مختلف انسان ہوں۔ میں اتنا بدل چکا ہوں کہ اُس شخص کو نہیں پہچانتا جو ایک لڑکی کا چھاتا اٹھاتا ہے ہنسی خوشی ہنسیوں کی رات میں سیلیاں بھاتا چلا جاتا تھا... تو ان دنوں میرے ساتھ کیا ہوا... میں ایک صبع اپنے منقصر لان میں یوگا کی ایک درزش کر رہا تھا۔ میں نے سانس اپنے اندر کھینچا اور اُسے روکے کھا ایک طویل عرصے کے لئے اور جب میں نے اسے باہر نکالا تو یکدم میرا بدن بہاب دے گیا... ایک تازگی میرے سارے بھم میں وحشی ہو کر تیر نے لگکی۔ مجھے زیادہ دکھائی دینے لگا... زیادہ سنائی دینے لگا... صرف چند لمحوں کے لئے... مجھے یوں لگای ہیسے میرا بدن نیا نکور ہو گیا ہے... اور تب ایک مرتبہ پھر کئی رسولوں کے بعد... گھری، شیلے سمندر سے بھی گھری... محبت ہوتی ہے... پہ کہیں سے تیرتا ہوا میرے ذہن میں آیا اور پھر نکل گیا.... دوسرے روز میں نے پھر دسی درزش کی اور ایک مرتبہ پھر اسی زندگی سے بھر پور کیفیت سے دوچار ہوا۔ پھولوں کے ادپتوں کے رنگ گھرے ہوئے شوخ ہوئے۔ ہر شے زندہ ہو گئی۔ فوارے میں گرتا ہوا پانی بھی زندہ ہو گیا... بن اسی لمحے گھری، شیلے سمندر سے بھی گھری کے ساتھ ایک ہمک آئی اور ایک دھنڈ لانشق ابھرا اور فاٹب ہو گیا... میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ ہمک میں نے کہاں اپنے اندر اتاری تھی اور کب... اور اس کا تعلق شیلے سمندر سے بھی گھری کے ساتھ کیا ہے... روزاں یوگا درزش کے بعد اس کیفیت سے گذرا اور یاد کی مچھلی ذہن کے ہامتوں سے پھسل جاتی اور مااضی کے تاریک سمندر دلوں میں

گرگر گم ہو جاتی... اور پھر ایک روز جب صبح سوریے میں نے اپنا ساٹش اندر کپینچ کرائے روکا اور پھر باہر لایا تو وہ خوبصورتی اور اُس کے ساتھ ہی وہ منظر صاف ہو گیا جو گم ہو چکا تھا... رُو تھے ٹھینوں کی باؤچ کے ساتھ تیک، لگائے مجھے دیکھ رہی ہے۔ اُس کے شیخے سر مری رہوں شور مچاتا ہے اور ہوا کی ننکی میرے چہرے کو تپکتی ہے۔ فرک، لاکٹ، باس بدن کی۔ پسند۔ سرد ہوتا گرم پسند۔ درخت ... اور گھری، نیلے سمندر سے بھی گھری... محبت ہوتی ہے۔

لیکن یہ تو آج کی بات ہے اور میں گذرے ہوئے کل میں تھا....
رُو تھے اور میں دوپہر کے کھانے کے لئے ایک سستے ریستوران میں گئے....
پھولوں کی نمائش دیکھی۔ شوکیوں میں بھی اُس جیولری کو دیکھا جسے ہم صرف دیکھ سکتے تھے، بھیل کے کنارے چلتے رہے۔ اور بالآخر ہم تھک گئے۔
”تمہیں پڑتے ہے آدم کرنے کے لئے جیسا میں بہترین جگہ کوئی ہے؟“
”کوئی؟“ میں نے پوچھا۔

”بھیل جینوا کے عین درمیان میں ایک بگہ ہے۔“
”بھیل جینوا کے درمیان میں میری معلومات کے مطابق تو کوئی جزیرہ دنیوں میں
ہے اور نہ ہی اس وقت دکھائی دیتا ہے۔“

”وہ جزیرہ ہم خود بنائیں گے... آؤ۔“
بھیل کنارے ایک بڑی کلب کے سیٹورڈس سے ہم نے ایک ہلکی سی کشتی کرائے
پر حاصل کی۔ تیراکی کی طرح کشتی رافی بھی مجھے دا جی سی آتی ہے لیکن یہ کشتی اتنی ہلکی
پھلکی اور آسان تھی کہ اسے کوئی بھی چلا سکتا تھا... ہم کنارے سے دور ہوتے
گئے اور رُو تھے میرے بازوں کو دیکھتی رہی اور مسکراتی رہی... آہستہ آہستہ شر
کا شور و غل مدد ہو کر ختم ہو گیا۔ کافنوں کو عجیب سالگا کہ ایک خاموشی ہے جس میں

صرف ہوا چلتی ہے۔ چپوڑی کی آواز ہے اور بس... آس پاس سرپریز پاڑوں میں سرخ چھتوں والے گھرستے اور سڑکوں کا ایک جال تھا... بھیل کے عین درمیان میں جا کر ہم رُک گئے۔

"یہ ہمارا جزیرہ ہے؟ رو تھے کہنے لگی۔

جینوا کا شہر بہت دور لگ رہا تھا... بلکہ ہر شے دور لگ رہی تھی۔ بھیل جینوا اتنی چھوٹی نہ تھی جتنا کنارے سے لگتی تھی۔ اس کے نیلے پانی پر چند بادبائی شیتاں تیر رہی تھیں۔ کبھی کبھار کوئی موڑ بوث شور کرتی گزر جاتی اور ہماری کٹتی سُستی سے پچکوئے کھانے لگتی... رُو تھے سب معمول فرماں کے یونچے نہانے کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس نے فرماں اُتارا اور دھوپ میں لیٹ گئی۔

"تم یو منی بیٹھے رہو گے؟"

"میرے پاس سونگ کا سیلو مہینے ہے..."

اس نے میری طرف عجیب سی نظریں سے دیکھا۔

اور میں نے شکر کیا کہ میرے پاس نہانے کے لئے پچھے نہیں ورنہ خواہ منواہ بھیل میں اُترنا پڑتا اور بھیل جینوا کے عین درمیان میں پانی کی گھرائی ایک کلو میٹر تر ہوگی... ایک کلو میٹر نہیں تو میرے قدر سے توہر صورت میں زیادہ ہو گی۔ بیوں بھی مجھے رو تھے کہ اس پروگرام کا علم نہ تھا... دھوپ

میرے پوچھوئیں کو گرم کرتی تھی... میں بھی سُست پڑنے لگا۔ کشی پانی میں ہلکوئے لیتی تو نیند آنے لگتی۔ اگر کوئی موڑ بوث قریب سے گزر جاتی تو ہلکوئے پچکوئیں میں تبدیل ہو جاتے۔ اور تم کہہ رہے تھے کہ بھیل جینوا میں کوئی بزریرہ نہیں... اور اب ہم کہاں لیتے ہیں؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ مجھے جینوا چھوڑ دینا ہے۔ میرا سامان کیمینگ ہے، بندھا پڑا ہے۔"

”ہاں... لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ وہ صوب چمکتی ہے اور پانی کی نم میک آتی ہے اور ہمارے اوپر صرف آسمان ہے، نینلا اور گمرا“

میں نے کشتنی کے کنارے پر ٹھوڑی لگائی اور جمیل کی سطح میری آنکھوں کے سامنے آگئی... باوباڑی کشتنیاں بہت ساری تسلیاں... سفید تسلیاں جمیل کی سطح پر اپنے پر جوڑ سے تیر رہی تھیں۔

”کیا دیکھ رہے ہو؟“ رو تھے میرے کندھے پر ایک گرم ہتھیلی رکھی ہم اپنے بزریے میں ہیں“ اور اس بزریے میں تنہائی تھی۔

ایک موڑ بوٹ خلنک حد تک ہماری کشتنی کے قریب سے جھاگ اڑاتی گز رکھی اور ہم بمشکل اپنے آپ کو سنبھال سکے۔
”بامڑا“ رو تھے بڑا بڑا۔

اتنی دیر میں موڑ بوٹ پھر ہماری جانب آنے لگی... اس پر چند فوجوں تھے... وہ نزویک سے گزرے تو انہوں نے رو تھے کو دیکھ کر خوب زور زور سے بیٹیاں بجا بیٹیں اور اس کے ساتھ ہی ہماری کشتنی ڈولنے لگی....

”یہ ہم سے جلتے ہیں“ رو تھے غصتے میں تھی۔

دو تین مرتبہ ہمارے گرد چکر لگا کر موڑ بوٹ نے ایک لمبا سانش لیا اور ہنگتی ہوئی چلی گئی۔

اب پھر پانی کی ٹپک ٹپک تھی اور خاموشی تھی اور وہ صوب تھی۔
”کیا تم وہ صوب نہیں سینکو گے؟“

”میں پہلے ہی ضرورت سے زیادہ براوٹ ہوں... ذہینک یو“
”کیا تم ہر بجھہ براوٹ ہے؟...؟“
”ہاں“

ہم والپن کنارے پر آئے تو دھوپ بھیل پر سے سمٹتی ہوئی پھاڑیوں کے
اوپر زرد ہماری بھتی۔

رہوں کے سامنہ اور پر جاتا ہوا راستہ نیم تاریک تھا۔ گھری سینے سمندر دل
سے بھی گھری مجھے اپنا سامان کھول کر دبارہ خیمه ایسا تادہ کرنا پڑا۔ کیونکہ باہر سردی
بھتی، اور مت روکو۔ مجھے مت روکو۔

اور ایک تیز ہوا چل رہی ہے اور طوفان ہے اور سردی ہے اور اس لئے...
مت روکو۔ مجھے اپنے ہونٹوں کو چمنے سے مت روکو۔

میری منزل مومنترے تھی۔

اور میں کھڑا تھا اور میری مانگیں شل ہو۔ ہی تھیں اور شام ہو رہی تھی اور میں صبح گیارہ بجے سے یہ منی کھڑا تھا اس کاریاٹک وغیرہ کے انتظار میں جو مجھے کم از کم یہاں سے اٹھا لے اور کہیں اور لے جائے۔

جنیوا سے نکلنے کے بعد میں ٹام کے آخری شاپ پر آگیا اور پھر بلکھا ق ہوئی سڑک پر چلنے لگا۔ دونوں جانب آبادی تھی۔ دائیں ہاتھ پر مصلوان تھی اور کافی تھے اور کبھی کبھی نیچے اترتے راستوں کے آخر میں بھیل کے پانی نظر آ جاتے۔ یہاں سے اس بھیل کا نام بھیل جنیوا کی بجائے لاک لامن ہو چکا تھا۔۔۔ ایک ایسے موڑ پر جہاں کاریں ذرا آہستہ ہو جاتی تھیں میں نے وک سیک زین پر رکھا اور لفت لینے کے لئے ہاتھ آگے گردیا۔۔۔ یہاں سے میں بھیل کے ایک بڑے حصے کو دیکھتا تھا جو دھوپ میں سفید ہو رہا تھا اور دسرے کنارے پر وہ پہاڑیاں بھی وصد لاکھ تھیں جو فراش میں واقع تھیں۔ دائیں ہاتھ پر انگوروں کے کھیت بلند ہو رہے تھے اور ان میں چھوٹے چھوٹے فارم ہاؤس چھپے ہوئے تھے۔ یہ منظر کیلئے درود اور پوسٹ کا درود پر منتقل ہونے کے لائق تھا۔ اور میں ایک لاپرواہ سرخوشی کے ساتھ وہاں کھڑا پاس

سے گذرنے والی ٹرینیک کو دیکھدیکھ کر منایت مودب انداز میں سکرار ہاتھا تاکر مجھے کوئی لفٹ مل سکے... یہ مودب انداز ایک دو گھنٹے کی مسلسل مسکراہٹ کے بعد ختم ہو گیا... اگرچہ اس سڑک پر ٹرینیک زیادہ نہیں تھی لیکن اتنی قلیل بھی نہ تھی کہ لفٹ کے امکانات ہی نہ ہوں۔ ایک اور بات میں نے لوت کی کمیرے علاوہ وہاں کوئی اور پیچ ہانگر نہ تھا درد نہ پورپ کے بڑے شرودی سے نکلنے والی شاہراہوں پر تو لفٹ یعنی والوں کے غول کے عزل کھڑے ہوتے ہیں... میرے سامنے جو سوچ چمکتا تھا اور آہستہ سفر کر رہا تھا اب بھیل کے دوسرا گزارے میں دفن ہونے کی تیاری کر رہا تھا اور مجھے ابھی تک لفٹ نہیں ملی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر جیئی اکی کینیپ میں ایک مرتبہ پھر واپس جانے کے لئے تیار کر لیا... اس پاس کی خوشیاٹی اب مجھے زہر لگ رہی تھی... تب ایک بوڑھے کمان نے اپنی پک اپ روک کر مجھے بھٹالیا...
 "کماں جانا چاہتے ہو؟" اس نے پک اپ سڑاٹ کرتے ہوئے بڑی غصیں لگانے میں پوچھا۔ "آپ جہاں بھی جا رہے ہیں... ویسے میں مانترے جانے کا خواہش مند ہوں۔"
 "مانترے؟ بھیل کے دوسرا ہر سے پرداچ آڑی شہر؟... نہیں میں تو لوزان
 "کے قریب ایک ریٹنے دار کے ہاں جا رہا ہوں وہاں تک لے جا سکتا ہوں۔"
 "شکریہ؟"

"ویسے تم خاصے بیوقوف ہو؟" اس کسان نے میرا جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ دیا۔

"جی ہاں... وہ تو میں ہو گیا ہوں اتنی دیر سڑک پر کھڑے رہ کر"

"میں نے تو تم پر ترس کھا کر بھالیا ہے درد پیچ ہانگروں کو بھالیا تو سراسر حماقت ہے... دراصل سوئٹر لینڈ میں ایک قانون ہے جس کے تحت اگر آپ کی کار حادثہ کا شکار ہو جاتی ہے اور آپ کے ساتھ کوئی پیچ ہانگر ہوار ہے تو اس پر نہ کپنی

آپ کو نقصان کا ایک پیہے منیں دے گی اور اسی لئے یہاں کے ڈرائیور پر چ ہامکروں کو ساتھ بٹھانے سے گزیر کرتے ہیں۔ ”

”پھر آپ نے کیوں بٹھایا؟ میں نے مسکا کر پوچھا۔

”میری کپ اپ یوں بھی ختم ہو چکی ہے اس لئے اگر حادثہ ہو جی جائے تو اس کا کیا بگڑتے گا،“ بورڈ سے نے ایک بڑا سگار ڈیش بورڈ سے نکلا اور سلکا لیا۔

بھیل کے پانی اب سورج کی آخری کرنل سے چمک رہے تھے۔

راستے میں فی آن کا قصبه آیا جسے میں نے سیاحتی کتابوں میں دیکھا تھا اور اسے دیکھنے کی خواہش کی تھی... یہ بہتر تھا لگوں میں اسے صرف سیاحتی کتابوں میں ہی دیکھتا۔ لوزان پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی۔

یہ ایک منحصر سفر تھا جس نے مجھے بھیل کے نیلے پانی، ڈھلوان چھتوں والے گھر، انگور کے باغ اور سرینہر پہاڑ یاد کے طور پر دیتے۔

لوزان سوئٹزر لینڈ کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے اور اپنی یونیورسٹی کے باعث شہرت رکھتا ہے۔ یہاں قیام میرے سفری منصوبے کا ایک حصہ نہ تھا بلکہ یہ اس بورڈ سے کسان کی وجہ سے تباہ جھے کہیں اور ڈریپ کرنے کی بجائے یہاں چھوڑ گیا۔ میں نے لوزان کی کیمینگ کے بارے میں پڑھ رکھا تھا کہ وہ یورپ کی بڑی سائنس میں شمار ہوتی ہے، بھیل کے ساتھ ایک رتیلا ساحل تھا اور اس کے ساتھ ساتھ لوزان کی کیمینگ بائست پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے حسب معمول دفتر میں اپنا پاپورٹ جمع کر دیا اور کیمینگ کے بجز سٹور کے قریب اپنا شیبد نصب کر لیا۔ میں تھکا ہوا تھا اور تاریکی پھیل رہی تھی۔ سٹور کے ساتھ ایک چھوٹا سا ریستوران تھا۔ میں نے سٹور سے کچھ روٹی اور ٹینین بند مچھلی خبیدہ اور ریستوران میں بیٹھ کر اسے تناول کیا۔ یہاں بھی ایک سبھیوں کو کس موجود تھا اور... مت روکو... پسیٹ بون یہاں بھی گاہ رہا تھا۔

ستور کے کاونٹر کے پیچے ایک دبلي سی لڑکی گاہکوں کو بھگتا رہی تھی... مجھے دیکھ کر وہ کچھ ٹھنڈکی اور کہنے لگی "تم کون سے ملک کے ہو؟" میں نے بتایا تو کہنے لگی تم میرے پہلے پاکستانی ہو... اُن زمانوں میں پاکستانی پاکستان میں ہی رہا کرتے تھے اور میری طرح کا اکا دکا دانہ پھسل کر ادھر جانکھتا تھا اور لوگوں کی دلپی کا باعث بن جاتا تھا کھانے کے بعد میں بھیل کی طرف گیا لیکن دہان خاصا اندر ہمراہ تھا چنانچہ واپس آیا اور اپنے خیسے میں دراز ہو گیا۔

لوزان میں میں کئی روز تک رکار ہا... اس لئے رکار را کہ میں یہ حد سُت ہو گیا تھا۔ صرف ایک مرتبہ شہر گیا اور باقی تمام وقت کینپنگ میں گزارا۔ ہالینڈ کے دو بھڑے تک اور نل، سلمان اور سویان میرے دوست بن گئے۔ وہ بھی میری طرح سیاحت پرنکلے ہوئے تھے۔ اتفاق یہ ہوا کہ ستور میں کام کرنے والی خاتون بھی ہالینڈ کی تھی اور لوزان میں یورپی میں چھٹیوں کی وجہ سے پارٹ ٹائم جاپ کر رہی تھی... رائیں لڑنے اپنے ہم وطنوں کے پاس اکثر آتی اور میں اکثر اس کے ہم وطنوں کے ہمراہ ہوتا چنا پنځر اسے بھی گروہ میں شامل کر لیا گیا۔

ہمارا سارا دن بھیل کے ساتھ رتیلے ساحل پر گزرتا... ہم سونگ کرتے۔

باتیں کرتے، موسیقی سنتے اور دھوپ میں اوگھتے رہتے۔ رائیں بہت زبردست تیرک ستحی اس کا ڈبل جسم ماچس کی تیلی کی طرح پانی پر تیرتا رہتا... کینپنگ کے قریب ایک بوٹ کلب تھی جہاں واڑی سکی انگ کا انتظام تھا... یہ ایک منگا کھیل تھا اور اس کے ساتھ تھوڑا سا خطرناک بھی۔ خاصی طور پر میرے ایسے "تیرک" کے لئے... بہر حال گروپ نے ایک روز ایک پیٹری بوٹ کرانے حاصل کی... صرف ایک گھنٹے کے لئے اس کے ساتھ ایک ڈرا میور جو اسے سکی انگ کے لئے مناسب رفتار پر چلا سکے اور روک سکے... فیصلہ یہ ہوا کہ ہر میر دس منٹ کے لئے سکی انگ

کر سکتا ہے۔ اگر وہ کر سکتے تو!... سب سے پہلے مجھے آگے کیا گیا... میں اپنے بڑا نگ کا سیٹوں میں تھا... بڑا کلب کے ایک کافندسے نے پانی پر پھسلنے والی لکڑی کی تختیاں یعنی ریسکی میرے آگے رکھ دیں اور میں نے اپنے پاؤں ان پر جمادیتے پھر ان تختیوں کو باندھ دیا گیا... اس کا خیر کے بعد مجھے اُس رستی کا آخری سر اعتماد دیا گیا جو موڑبوٹ کے ساتھ بندھی ہوئی تھی... اب مجھے اس رستی کو مضبوطی سے تھا منا تھا۔ اپنی ٹانگیں اکڑائے رکھنی تھیں کیونکہ ذرا بھول آیا اور آپ پانی میں... طریقہ یہ تھا کہ موڑبوٹ سٹارٹ ہو گی اور اس کے ساتھ آپ پانی پر تیرنے لگیں گے... اگر آپ نے رستی کو مضبوطی سے تھامے رکھا، ٹانگوں کو اکڑائے رکھا اور آپ کی ریسکی کا زاویہ بالکل سیدھا رہا تب... بھر حال میں بھی تیار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اصل مسئلہ میرے لئے یہ تھا کہ میں تیرا کی میں بہت پیدل تھا اور کتنی مرتبہ جیل پر پھسلتے ہوئے موڑبوٹ کے آہستہ ہونے سے یا تیز موڑ کاٹنے سے یا آپ کی اپنی کسی حماقت کی وجہ سے آپ پھسلتے پھسلتے یکدم پانی میں ایک بھاری پتھر کی طرح ڈوب جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر آپ کے پاؤں سے بندھی ہوئی تختیاں خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں یعنی آپ کی ٹانگ کو ایسا بل دیں گی کہ ہڈی دنکھڑے یا آپ یکدم جب ڈوبتے ہیں تو حواس کھو گیتے ہیں اور پھر ڈوبتے ہی چلے جاتے ہیں... لیکن میرے تمام خدشات باطل ثابت ہوئے کیونکہ موڑبوٹ سٹارٹ ہوئی اور رستی نے مجھے کھینچا اور میں شاہد پانچ چھر سینکڑ کے لئے پانی پر رہا اور پھر نیچے... پونکہ میں کنارے پر تھا اس لئے جب نیچے گیا تو صرف گھٹتوں تک پانی آیا... موڑبوٹ آگے جا چکی تھی اور میں نے ظاہر ہے رستی کو پھر دیا تھا... موڑبوٹ واپس آئی ایک مرتبہ پھر میں نے رستی کو مضبوطی سے تھاما، ٹانگیں اکڑائیں، موڑبوٹ سٹارٹ ہو کر چلی، میں چند لمحوں کے لئے پانی پر تیرا اور پھر نیچے... دس منٹ میں تین

مرتبہ کوشش ہوئی اور نتیجہ دہی لکھا۔ میرے بعد باقی حضرات کا بھی یہی حشر ہوا کہ ادھر نکلے اور ادھر ڈوبے... صرف اینے پندرہ بیس گز تک پانی پر پھسلتی گئی معلوم ہوا کہ ہم واٹر سکی انگ کو جتنا آسان سمجھتے تھے یہ اتنی ہی مشکل تھی بلکہ ہم ایسوں کے لئے ناممکن... ہاں اتنا فائدہ ہوا کہ اب میں آسانی سے یہ کہ سکتا تھا کہ آہ وہ دن جب میں سو میٹر لینڈ کی ایک نیلوں بھیل کے پانیوں پر اس طرح سکی رنگ کرتا تھا جیسے ایک بگلا سطح آب پر تیرتا ہوا اُترتا ہے... تمھاری سی مبالغہ آرائی تو ہر طورہ ہر مصنف کا پیدائشی حق ہے۔

ایسے خوش مٹکل لڑکی تھی لیکن دلبی پتلی اتنی تھی کہ اُس کے لڑکی ہونے کے آثار بھی کم کم دکھانی دیتے تھے.... اس نے پھٹی کے ردیہ میں اپنے کمرے میں ایک دعوت دی جس میں ہالینڈ کے لوک گیت گائے گئے اور میں نے انہیں انتہائی توجہ کے ساتھ اور منہک ہو کر سننا لیکن اس کے باوجود انہیں سمجھنے سکا کیونکہ میں ڈچ زبان سے نا آشنا تھا۔

لوزان کی ایک بلند عمارت کی پچت پر ایک ریستوران تھا جہاں سے پورا شر اور آس پاس کے پہاڑ اور بھیل کا بیشتر حصہ ایک نقشے کی طرح قدموں کے نیچے پھیلایا نظر آتا... ہم وہاں دوپہر کو آئیں کریم کھانے جاتے۔

لوزان میرے لئے اب بھی ریت بھیل۔ دھوپ۔ سُستی اور ہالینڈ کے پانچ دوستوں کا نام ہے۔

مانترے پر چونکہ لوزان سے نزدیک ہی تھا اس لئے میں نے پنج ہانگ کا خطرہ مول لینے کی بجائے ٹرین کا ملکت مول لے لیا۔

میں مانترے میشن سے باہر آیا تو ایک ایسے شر کو دیکھا جو نارک تھا جیسیں تھا اور اس میں ہر طرف بے نکری کا موسم تھا... یہاں پر کوئی قابل ذکر کی پہنچ نہیں

نہ تھی۔ سیشن پر مجھے بتایا گیا کہ ٹرام نمبر فلان پر سوار ہو جاؤ اور شا تو دی شیان سے دوستاپ آگے جا کر اتر جانا... وہاں خیمہ لگایا جاسکتا ہے۔ جب میری ٹرام شہر کے مرکز میں سے گذر رہی تھی توفٹ پاتھر پر لگی کرسیوں پر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مختصر ترین لباسوں میں تھے اور ان میں سے کوئی ایسا ناخابونہ مسکرا رہا ہو... ٹرام مرکز سے نکل کر باہر آئی پھر بھیل کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ شہر شتم ہوا اور قلعہ شیان کا شاپ آیا... بیشتر سیاح اتر گئے۔ دوستاپ بعد ٹرام یکدم گھومی اور مومنتے کی جانب رُخ کر کے کھڑی ہو گئی۔ یہ اب واپس جا رہی تھی اور یہ اس کا آخری شاپ تھا... اور یہ وہ مقام تھا جہاں پر بھیل لامن شتم ہو جاتی تھی... ایک ویران قلعہ زمین پر وہیں شیئے لگے ہوئے تھے۔ میں ان کے قریب گیا اور فتر کے بارے میں دریافت کیا۔ ان میں مقیم سیاحوں نے بتایا کہ مانترے کی اشنا میہنے ابھی اس شہر میں کینپنگ کے لئے کوئی خاص سولتیں مہیا نہیں کیں اور یہاں آپ بنیز قیمت کے خیمہ لگا سکتے ہیں۔ قریبی نل سے پانی پی سکتے ہیں اور با تھر روم کے لئے بھیل کو استعمال کیجیے اور بھوک لگکے تو بھیل کنارے پھیلے مانترے کو دیکھئے اور عش عش کیجئے...۔

زمین سخت تھی اور جنگلی گھاس اور سر کنڈے بھیل کے کناروں تک جا رہے تھے۔ بہر حال میں نے خیمہ ضب کیا اور پھر کپڑے بدلت کر اسی ٹرام شاپ سے شرودا پس چلا گیا۔ بھیل کے ساتھ ساتھ جدیو اکی طرح یہاں بھی ایک سیر کرنے والی شڑک تھی جس کے دونوں طرف موسیٰ پھولوں کی کیا ریاں نہیں... مانترے، لوزان اور جنیو اکی نسبت بہت پھوٹا تھا لیکن پُرسکون اور قدیم نفاست نے ہوئے تھا۔ یہاں مکانگی فدائش آمد رفت کم تھے اور خاص طور پر بھیل کے کنارے چلتے ہوئے سوائے پانی کے اور کوئی شور آپ کے کا ذریں میں نہیں اترتا تھا... موسیٰ ایسا تھا کہ میں ایک چین اور ایک گرم چیک شرٹ میں خنکی محسوس نہیں کرتا تھا... شہر میں ادھر ادھر گھومنے کے بعد

میں نے ایک ریستوران سے اُن کا سستا ترین سینڈوچ خرید کر کھایا اور پھر ان کے غسل خانے میں جا کر پہیٹ بھر کر پانی پیا اور سیر ہوا جنیوا میں میرے ساتھ ایک ہاتھ ہو گیا تھا۔ سیشن کے قریب ایک ریستوران میں جب دیپرنس نے مجھ سے کھانے کے ہمراہ مشروب کی پنڈ دریافت کی تو میں نے پانی صرف اس لئے منگایا کہ میں پلیے بچا چاہتا تھا۔ بل آیا تو اتنا ہی تھا جتنا کہ کوکا کولا دغیرہ ساتھ منگانے میں ہوتا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جی ایک تو یہ معمولی پانی نہیں تھا یعنی ٹیپ واٹر میں تھا بلکہ منزل واٹر تھا اور اس کے علاوہ اگر آپ ٹیپ واٹر بھی منگاتے تو سرویس چاربڑ کے طور پر اتنی ہی رقم بن جاتی... اس کے بعد میں اگر کسی ریستوران میں جاتا تو کھانا میز پر اور پانی غسل خانے سے....

کھانے کے بعد صرف وقت گزارنے کی خاطر ایک سیناگھر میں چلا گیا جہاں ایک امریکی فلم فرانسیسی عبارت کے ساتھ دکھائی جا رہی تھی۔ مجھے اس فلم کا نام یاد نہیں لیکن اس میں ایک لمجھ تھا جو میرے لئے بہت عجیب تھا... رابرٹ دیگنزو جو اس کا مرکزی کردار تھا ایک خوش شکل فوجوان ہے جس کے عشق میں ایک بھولی بھالا خوبصورت لڑکی گرفتار ہے۔ بالآخر وہ لڑکی حاملہ ہو جاتی ہے اور دیگنزا سے دھوکا دے کر ایک بہت ہی بلند عمارت پر لے جا کر چھت سے گرانا چاہتا ہے.... لڑکی اسی طرح پیار کی باتیں کرتی ہے اور دیگنزا کے پھرے پر دہی ہوتا ہے جو اس کے ذہن میں ہرتا ہے... نظاہر ہے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس رات خیے میں مجھے ایک عجیب سا نواب آیا... ایک بلند عمارت... ایک حسین لڑکی اور میں اُسے چھت سے دھکا دینا چاہتا ہوں۔

اگلے روز مجھے مانتر سے اتنی دھشت ہو گئی کہ میں نے اپنا نیہاد اور سامان دہیں چھوڑا اور تین پرسوار ہو کر لوزان چلا گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ ایسے کی چھٹی کا دن

ہے پھانپھ میں شیش سے سیدھا اس کے کمرے میں پہنچ گیا... وہ مجھے دیکھ کر بے حد حیران ہوئی۔ اس نے خوشی کا انہمار بھی کیا لیکن اس میں بناوٹ تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ سلمان اور نبک وغیرہ لوزان سے واپس ہالینڈ جا پکے ہیں، میں نے کافی کا ایک پیارہ شکریتے کے ساتھ قبول کیا اور پھر ایک مناسب وقت کے بعد اجازت لے کر چلا آیا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے کمرے سے باہر قدم رکھتے ہی ایسے نے اطمینان کا ایک گھر اسانس لیا ہو گا....

میں لوزان سے واپس مانترے آپ تو ابھی صرف بارہ بجے تھے... دراصل ہوا یہ تھا کہ لوزان میں اور جنیوا میں اتنا اچھا وقت گذارنے کے بعد مانترے میں مجھے کوئی سامنی نہ ملا تھا اور میں بے حد بیزار ہو رہا تھا... پھانپھ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگلی صبح مانترے کو خدا حافظ کہ دیا جائے... لیکن آج کیا کیا جائے؟... چلتے شا تو دی رشیان دیکھا جائے یعنی رشیان کا قلعہ جو جمیل لامن کے کنارے پانی میں کھڑا ہے۔

یورپ میں کسمی بھی سیاح کی بر بادی کے تین سامان ہوتے ہیں... ایک تو خواتین... لیکن بر بادی کے اس سامان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی قربت کے لئے کچھ تزوڑ کرنا پڑتا ہے اس لئے جس کو ہو جان دل عزیز اُس کی گلی میں جائے کیون... دوسرا اور تیسرا بر بادی کا نام ہے پرانے قلعے اور گرجے... یورپ کے ہر قبی، ہر شہر اور ہر کھیت میں قلعہ ضرور ہو گا اور گرجا ضرور ہو گا اور یہ قلعہ اور یہ گرجا آپ کو بتایا جائے گا کہ بہت شدید تاریخی اور قدیمی ہے اور اس میں فلاں فلاں بادشاہ کے نوارات اور فلاں سینٹ کے ملبوسات رکھے ہوئے ہیں اور انہیں اگر آپ نے نہ دیکھا تو جاں من آپ نے کیا دیکھا... پھانپھ آپ اپنے بتریں وقت میں قلعے اور گرجے دیکھتے رہتے ہیں اور جب تیسرا بر بادی کا موقع آتا ہے تو اتنی دیر میں

آپ خود برباد ہو پکے ہوتے ہیں... اسی لئے میں ان ہر دو عمارت سے ذرا پچھ کے نکل جاتا تھا..... میرا خیال تھا کہ رشیان بھی ایک ایسا ہی قلعہ ہو گا۔

رشیان ایک خانگھی قلعے کی بجائے ایک پتھری رہائش گاہ لگتی ہے۔ شہر سے کچھ دور بھیل کے پانی میں ایستادہ اور ایک چڑڑا راستہ بوز میں سے قلعے کی عمارت تک جاتا ہے۔ پرانے زمانز میں ظاہر ہے اس راستے کی بجائے لکڑی کا پل ہو گا جیسے جملے کی صورت میں اٹھا کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا جاتا ہو گا... اندر سے یہ عمارت اتنی وسیع تھی کہ سینکڑوں سیاحوں کی موجودگی میں بھی خاموش اور دیران لگتی تھی۔ جنلت کمروں کے بلند روشنдан بھیل کی طرف کھلتے تھے اور ان میں سے دھوپ آتی تھی اور سامنے دیوار کے بالائی حصے کو روشن کرتی تھی... ان میں سے کسی ایک کمرے میں بہت دیر تک بیٹھا رہا اور اس تنہائی کو محسوس کرتا رہا جو پتھروں اور دیواروں میں تھی... اس دوران سیاحوں کا ایک گروپ اپنے گانڈ کے ہمراہ ادھر آیا تو میں اٹھ کر ان میں شامل ہو گیا۔ گانڈ قلعے کی وہ تاریخ بتاتا رہا جو خاص طور پر سیاحوں کو خوش کرنے کے لئے بنائی گئی تھی اور اس سے کسی کو کچھ نعمان منہیں ہو رہا تھا۔ ان سیاحوں کو اور نہ تاریخ کو....

قلعے کے بالائی حصے دیکھنے کے بعد، ہم نیم تاریکی میٹھیوں سے یونچے اُترے اور بُوں جُوں یونچے اُترے تاریکی اور آتی گئی۔ یہاں چند کوٹھریاں تھیں۔ بے حد تاریک اور سرد۔ ان میں کرنی روشنдан نہ تھا۔

”QBhab یہ ہے رشیان کے قیدی کی کوٹھری...“ گانڈ نے بتایا۔

سب لوگ اس کی دیواروں کو یوں چھوٹنے لگے جیسے یہودی دیوار گیر کو عقیدت سے چھوٹتے ہیں۔

”رشیان کا قیدی؟“ میں نے ایک امریکی سے دریافت کیا ”وہ کون تھا؟“

”گاؤ“ اس نے منہ کھول کر کیا تم منیں جانتے؟... کیا تم نے لارڈ بائز کی

نظم شیائ کا قیدی ”منیں پڑھی؟“

اس کے ساتھ ہی اس نے نظم کے کچھ مصروعے مجھے سنائے۔ شاعری والا خانہ میرا تھوڑا سا خراب ہے اور مجھے شتر وغیرہ یاد رکھنے میں خاصی دشواری پیش آتی ہے۔ اس لئے میں نے سر پلا دیا کہ ہاں ہاں خوب یا دآیا وغیرہ لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آیا تھا۔ ہم کو مٹھری میں چند تھنڈی سانسیں اور ”اوہ کیا بھی جگہ ہے“ اور ”کتنی خوفناک“ دغیرہ چھوڑ کر اور آگئے... صحن میں آئے تو میری نظر ایک بورڈ پر پڑی جس پر ”چاٹوڑی چیلوں“ لکھا تھا اور تب مجھ پر کھلا کر یہ تو ”چیلوں کا قیدی“ والا قلمحہ چیلوں ہے۔ چونکہ ہم نے تو انگریزی طریقے سے ہی اسے پڑھنا تھا اس لئے شاتردے شیائ کو ”چاٹوڑی چیلوں“ پڑھتے رہتے ہیں اور جب کسی نے شیائ کا تو ہم نے کہا ہم منیں جانتے... اسی تلحہ کی ایک کو مٹھری میں لارڈ بائز نے پتھر میں اپنا نام کھودا ہوا ہے۔ اسے حضرات کے ہاتھوں اور خواتین کے ہونٹوں سے بچانے کے لئے شیشے سے ڈھک دیا گیا ہے... میاں بھی یہ فرق نہیں پڑتا کہ کیا یہ دستخط اصلی ہیں... نہ بائز کو اور نہ ان ہونٹوں کو جو اس شیشے کو بھی بخوم بیتے ہیں۔

شیائ کو بائز کا قلعہ بھی کہا جاتا ہے۔

قلعہ سے باہر آنے پر سیرت ہوئی کہ یہ کوئی دنیا ہے جہاں کاریں ہیں اور جدید عمارتیں ہیں اور حسیل میں بارہ بائی کشتیوں کی بجائے موڑ بوش پانی کو پھریتی ہیں۔ قدمات ہمیشہ آپ کے اندر جذب ہو جاتی ہے اور دیر تک رہتی ہے اور اسی لئے میں جب پسیل چلتا ہوا سیرگاہ تک پہنچا تو ابھی تک کچھ کھویا ہوا تھا کچھ گم تھا... میں ایک پرخ پر بیٹھ کر سامنے پھیلی ہوئی پر سکون بھیل اس میں تیرتی کشتیوں، موڑ بوش

اور بڑے سیئرہ کو دیکھنے لگا.... اس پُرکشش منظر کے باوجود تنہائی اور اداسامی میرے اندر جڑیں مصنبوط کرتی رہیں۔ میں اس احساس کو سمجھنے سے قاصر تھا... کبھی مجھے رات کا خواب یاد آتا اور کبھی وہ تاریک کوٹھڑی جس میں باڑن کا قیدی بند تھا میرے سامنے ایک بوٹ کلب تھا جہاں سے کشتیاں کرائے پر ملتی تھیں۔ میں نے وقت بگزارنے کی خاطر ایک چھوٹے سائز کی کشتی حاصل کی اور اسے کھیتا ہوا ساحل سے پرے ہو گیا۔ کشتی کے سرے پر ایک بانٹ محتاج جس کے سامنے ایک لا لیں لیکن ہر ٹی تھی "اگر واپسی پر اندر ہیرا ہو جائے تو اسے روشن کر کے مانگ دینا" کلب کے کارنے نے کہا تھا۔

"لیکن میں اس کی ناکافی روشنی میں کیا دیکھ سکوں گا؟" میں نے پوچھا تھا۔
"یہ تمہارے لئے نہیں بلکہ ان موڑ بوٹ کے لئے ہو گی جو انہی میرے میں تم پرے سے گزر سکتی ہیں"

یہاں لوزان کی نسبت جھیل کا دوسرا کنارا نزدیک تھا۔ اگرچہ عمارتیں اور مکانیں دیگر کھائی نہیں دیتی تھیں لیکن کوئی قصبه اور صحراء جو مدھم سانظر آتا تھا...
اگر میں کشتی کھیتا اس کنارے پر چلا جاؤں تو؟

اور اس کنارے پر فراز ہے....

یہ ایک عجیب خیال مختاب میرے ذہن میں آیا اور پانی میں بھاری پتھر کی طرح بیٹھ گیا... یہ تجربہ کتنا مختلف ہو گا... پاس پورٹ میرے پاس تھا اور اگر میں کشتی کرو ایک مناسب رفتار سے کھیتا رہوں تو ایک ڈریڈ گھنٹے میں دوسری طرف پہنچ سکتا تھا اور دہاں کنارے کو ہاتھ لگا کر شام سے پہلے پہلے واپس مانترے... اس خیال نے مجھے کپڑا لیا... دوسرے کنارے پر جانا چاہیے۔ میں مانترے سے خاصا در ہو چکا تھا اور اب آہستہ آہستہ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ جھیل بہت بڑی ہے